© rasailojaraid.com

دنیا کے تین جاہلی تمدن

از جناب مولوی صالح صاحب اعظمی جالپور

دنیا میں انسان کی زندگی کے لئے جو نظام نامہ بھی بنایا جائیگا اس کی ابتدا لامحالہ چند بنیادی عقائد سے ہوگی۔ زندگی کی کوئی اسکیم بن نہیں سکتی جب تک کہ انسان کے متعلق اور اس کائنات کے متعلق جس میں انسان رہتا ہے، ایک واضح اور متعین تصور نہ قائم کر لیا جائے۔ یہ سوال کہ انسان کا برتاؤ یہاں کیا ہونا چاہئے اور کس طرح اسے اس دنیا میں کام کرنا چاہئے، دراصل اس سوال سے گہرا تعلق رکھتا ہے کہ انسان کیا ہے اس کائنات میں اس کی حیثیت کیا ہے اور اس کائنات کا نظام کس ڈھنگ کا ہے جس سے انسان کی زندگی کے ڈھنگ کو ہم آہنگ ہونا چاہئے۔ اس سوال کا جو حل بھی تجویز کیا جائے گا اُسی کے لحاظ سے اخلاق کا ایک نظریہ قائم ہوگا۔ پھر اُسی نظریہ اخلاقی کی نوعیت کے مطابق انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کی تشکیل ہوگی۔ پھر اسی سانچے کے اندر انفرادی سیرت و کردار اور اجتماعی تعلقات و معاملات کے قوانین اپنی تفصیلی صورتیں اختیار کریں گے، اور آخر کار تمدن کی پوری عمارت ان ہی بنیادوں پر تعمیر ہوگی۔ دنیا میں اس وقت تک انسانی زندگی کے لئے جتنے مذہب و مسلک بنے ہیں ان سب کو بہرحال اپنا ایک بنیادی فلسفہ اور ایک اساسی نظریۂ اخلاق مرتب کرنا پڑا ہے اور اصول سے لیکر فروعات تک میں ایک مسلک کو دوسرے مسلک سے جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ یہی فلسفہ اور یہی اخلاقی نقطۂ نظر ہے، کیونکہ ہر دستور زندگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کامزاج اس چیز کی طبیعت کے مطابق بنتا ہے اور یہ اس کے قالب میں روح کی حیثیت رکھتا ہے۔

دنیا میں سب سے قدیم جاہلی تمدن یونان کا ہے جس کے افکار و نظریات پر دنیا کی تمام جاہلی تہذیبوں نے اپنا نشیمن بنایا ہے اور موجودہ مغربی تمدن بھی کوئی ایسا نو عمر تمدن نہیں ہے جس کی پیدائش پچھلی صدیوں میں نہ ہوئی ہو، دراصل اس کی تاریخ ہزاروں سال کی پرانی ہے، اس کا نسبی تعلق یونان اور روما سے ہے، ان دونوں جاہلی تہذیبوں نے اپنے ترکہ میں جو سیاسی نظام، اجتماعی فلسفہ، اور مابعد الطبیعاتی نقطہ نظر اور عقلی اور علمی سرمایہ چھوڑا تھا۔ وہ سب کے سب اس مغربی تمدن کے حصہ میں آئے۔

یونانی تہذیب و تمدن یونانی تہذیب موجودہ مغربی ذہنیت کا سب سے پہلا واضح مظہر اور نمونہ تھی یہ پہلی تہذیب تھی جو خالص مغربی فلسفہ کی بنیاد پر قائم ہوئی، اور اس میں مغربی نفسیات کا پورے طور پر ظہور ہوا۔ یونانی تہذیب کے کھنڈر پر رومی تہذیب کی تعمیر ہوئی۔ جس میں بھی وہی یونانی روح کام کر رہی تھی۔ مغربی قوموں نے صدیوں تک ان دونوں تہذیبوں کی خصوصیات کو حرز جاں بنائے رکھا، انیسویں صدی میں انھیں خصوصیات کے ساتھ انھوں نے ایک نئے لباس میں ظہور کیا، اس لباس کی چمک دمک سے دھوکہ ہوتا ہے کہ وہ نیا ہے لیکن دراصل اس کا تانا بانا یونانیوں، اور رومیوں کے ہاتھ کا کاتا ہوا ہے۔ مغربی تہذیب و تمدن کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ یونانی اور رومی تہذیبوں کا مطالعہ کیا جائے تاکہ بصیرت اور معلومات کے ساتھ مغربی تہذیب پر تنقید کی جا سکے۔ یونانی تہذیب کو اگر اندر سے کھنگالا جائے تو اس کا ایک مخصوص مزاج معلوم ہوتا ہے، اور اس کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ یہ ایک غیر خدا پرستانہ تہذیب تھی، ان کے یہاں کسی حاکم علی الاطلاق کا تصور نہیں پایا جاتا، اور تقریباً خدا کے وجود میں بھی اشتباہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲- آخرت کے تصور سے خالی، اور روحانیت سے بے نیاز۔

۳- عاجلہ پرستی اور دنیاوی فوائد ولذائذ کا اہتمام شدید

۴- وطنیت اور قومیت کے بت کی پرستش اور عبادت۔

یعنی مختصر لفظوں میں اس کی تعبیر ایک لفظ "مادیت" سے کی جاسکتی ہے، پس یونانی تہذیب کی نمایاں خصوصیت مادیت ہے اور یہ خصوصیت یونان کی ایک ایک چیز سے ظاہر اور عیاں ہے آپ ان کے لٹریچر کا مطالعہ کریں تو ان کی شاعری، ان کا فلسفۂ کائنات، ان کے دین، سب ان کی عاجلہ پرستی اور مادی دلچسپیوں کی غمازی کریں گے۔ ان کے یہاں خدا کا ایک موہوم اور دھندلا سا تصور پایا جاتا ہے، ان کا نظریہ کائنات بالکل مادی ہے، خدا کی صفات اور اس کی قدرت کا تصور مختلف دیوتاؤں کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ بت پرست قوموں کی طرح ان کے یہاں بھی خدا کے کام دیوتاؤں کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں، ان کے یہاں بھی ایک روزی کا دیوتا ہے، ایک رحمت کا اور ایک قہر و عذاب کا، ایک محبت کا اور ایک حسن کا۔ ارسطو کے فلسفہ میں "عقول عشرہ" اور "افلاک تسعہ" کا جو شجرہ ملتا ہے وہ بھی اسی مادی عقلیت کا کرشمہ ہے۔

ڈاکٹر ہاس نے جینوا میں "یورپی تہذیب وتمدن کیا ہے؟" کے عنوان سے تین لکچر دیئے تھے جو یونانی تہذیب کی خصوصیات کو اجاگر کرتے ہیں، ان کا اقتباس ہم مشہور ترک خاتون خالدہ ادیب خانم کے توسط سے نقل کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:۔

"موجودہ مغربی تہذیب وتمدن کا مرکز قدیم یونانی تمدن تھا۔ اس کا اصل الاصول انسان کی تمام قوتوں کا ہم آہنگ نشوونما اور سب سے بڑا معیار خوبصورت اور سڈول جسم سمجھا جاتا تھا، ظاہر ہے کہ اس میں زیادہ زور محسوسات پر ہے، جسمانی تربیت، وحشی کھیلوں اور رقص وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ذہنی تعلیم جو شاعری، موسیقی، ڈرامہ، فلسفہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سائینس وغیرہ پر مشتمل تھی، ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھنے پائی تھی تاکہ ذہن کی ترقی سے جسم کو نقصان نہ پہنچے، یونان کے مذہب میں نہ روحانیت کا عنصر ہے نہ باطنیت کا نہ علم دین ہے نہ پیشوایانِ دین کا طبقہ"۔

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تمدن سرتاپا خدا سے بغاوت پر قائم تھا اور ایک یوم آخر کے تصور سے نابلد، ان کے نزدیک نفع عاجلہ ہی سب کچھ ہے۔

کسی قوم کے آرٹ اور کلچر سے آپ اس قوم کے مخصوص رجحانات کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ یونان کے لٹریچر اور ان کی خرافیات (میتھالوجی) کے مطالعہ سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ جو قوم حسن و عشق کے دیوتا رکھتی ہو۔ جہاں دیوتاؤں کے حسن وعشق کے قصے مذہبی روایات کا درجہ رکھتے ہوں۔ کیا یہ خدا اور آخرت سے بے پروائی کا نتیجہ نہیں؟

تاریخ اخلاق کا مصنف "لیکی" لکھتا ہے کہ یونانی تحریک تمام تر عقلی اور عیش پرستانہ رجحانات رکھتی تھی۔ تاریخ یونان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے یہاں مذہب کے مراسم میں بھی جشن، کھیل تماشے کی اتنی آمیزش پائی جاتی تھی کہ جس کا تصور ایک مذہبی اور خدا پرست انسان کر نہیں سکتا تھا ان کے یہاں خدا کا تقدس سب اسی درجہ کا تھا جتنا کسی بزرگ شخصیت کا ہوتا ہے اور اسے چند معمولی مراسم کے ساتھ یاد کرنا اس کی عظمت و تمجید کے لئے بالکل کافی تھا۔[1]

یونانیوں کے ان مراسم پر تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ جو قوم اتنی مادہ پرست اور خوگرِ محسوسات ہو، جس کے عقائد سراسر بت پرستانہ ہوں، جو ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات کا کوئی اچھا تصور نہ رکھتی ہو، جو اس کے حاکم علی الاطلاق اور قادر فعل و تصرف کا عقیدہ نہ رکھتی ہو، جو خدا کو ایک معطل اور بے صفت وجود مانتی ہو۔ جس کا نظریۂ کائنات یہ ہو کہ یہ کائنات بے مقصد اور بے غایت ہے تو

---

[1] تاریخ اخلاق یورپ از لیکی ترجمہ مولانا عبدالماجد صاحب بی۔ اے دریابادی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لامحالہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی زندگی میں خدا سے کوئی دلچسپی اور تعلق نہ ہوگا۔

عقائد کا اثر عملی زندگی پر | ان عقائد کا اثر یونانی معاشرت اور سوسائٹی پر یہ ہوا کہ دنیاوی لذائذ کی قدر و قیمت میں افراط و غلو، مجسموں اور عریاں تصویروں سے دلچسپی، سرود و موسیقی سے انہماک، فنونِ لطیفہ کی قدر دانی اور غیر محدود شخصی آزادی پیدا ہوئی اور زندگی سے زیادہ تمتع اور لطف اندوزی اور بوالہوسی کا داعیہ شدید سے شدید تر ہوگیا اور ان کے اسی چھچھورپن نے ان کے تمدن کے قصرِ رفیع کو بالآخر پیوندِ خاک کر دیا۔ اور ان کے اندر بداخلاقی اور فحاشی اتنی عام ہوگئی کہ زندگی اور اخلاق کی قدریں بدل گئیں۔ اس دور میں زنانِ بازاری کو وہ عروج حاصل ہوا جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ رنڈی کا کوٹھا یونانی سوسائٹی کے ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ طبقوں تک ہر ایک کا مرجع و مرکز بنا ہوا تھا۔ فلاسفہ، شعراء، مورخین، اہلِ ادب اور ماہرِ فنون۔ غرضکہ علم و فن کے تمام سیارے اسی آفتاب کے گرد گھومتے تھے۔ وہ رنڈی صرف علم و ادب کی محفلوں کی صدر نشین نہ تھی بلکہ سیاست اور معاشرت کے مہماتِ مسائل میں بھی اس کی رائے اہمیت رکھتی تھی۔ یونانیوں کے ذوقِ جمال اور حسن پرستی نے ان کے اندر شہوانیت کی آگ کو اور زیادہ بھڑکا دیا وہ اپنے اس ذوق کا اظہار جن مجسموں میں کرتے تھے وہی ان کی شہوانیت کو اور زیادہ ہوا دیتے چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ ان کے ذہن سے یہ تصور ہی محو ہوگیا کہ شہوت پرستی بھی کوئی اخلاقی عیب ہے، ان کا معیارِ اخلاق اتنا بدل گیا تھا کہ بڑے فلاسفہ اور معلمینِ اخلاق بھی زنا اور فحش میں کوئی قباحت اور کوئی چیز قابلِ ملامت نہ پاتے تھے۔ ان کی سوسائٹی میں نکاح ایک غیر ضروری رسم سمجھی جانے لگے۔ آخر کار ان کے روایاتی مذہب نے بھی ان کی حیوانی خواہشات کے آگے سپر ڈالدی۔ کام دیوی کی پرستش تمام یونان میں پھیل گئی جس کی داستان یونانی رومان میں یہ تھی کہ ایک دیوتا کی بیوی ہوتے ہوئے اس نے تین اور دیوتاؤں سے آشنائی کر رکھی تھی، اور ان کے ماسوا ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک فانی انسان کو بھی اس کی جناب میں سرفرازی کا فخر حاصل تھا۔ اسی کے بطن سے محبت کا دیوتا "کیوپڈ" پیدا ہوا جو ان دیوی صاحبہ اور ان کے ایک دوست کی باہمی لگاوٹ کا نتیجہ تھا۔

یہ فحاشہ اس قوم کی معبود تھی، آپ اندازہ کر سکتے ہیں جو قوم اس کیرکٹر کی دیوی صاحبہ کو اپنا معبود بنالے اس کی اخلاقی پستی کا کیا عالم ہوگا۔ یہ اخلاقی انحطاط کا وہ مرتبہ ہے جس میں گرنے کے بعد کوئی قوم پھر کبھی نہیں ابھرتی۔ ہندوستان میں بام مرگ اور ایران میں مزدکیت[1] کا ظہور اسی دورِ انحطاط میں ہوا۔

عظیم الشان بابل میں قحبہ گری اور عیش پرستی کو مذہبی تقدس کا درجہ اس زمانہ میں حاصل ہوا جس کے بعد پھر دنیا نے کبھی بابل کا نام افسانۂ ماضی کے سوا کسی دوسری حیثیت سے نہ سنا۔ یونان میں جب کام دیوی کی پرستش شروع ہوئی تو قحبہ خانہ عبادت گاہ میں تبدیل ہوگیا۔ فاحشہ عورتیں دیوداسیاں بن گئیں اور زنا ترقی کرکے ایک مقدس مذہبی فعل کے مرتبہ تک پہنچ گیا۔ تاریخ کی شہادت ہے کہ اس ذواقیت اور لذتیت کے بعد یونانی قوم کو زندگی کا کوئی دوسرا دور نصیب نہیں ہوا۔

قوم پرستی | یونانی تہذیب کی چوتھی خصوصیت قوم پرستی ہے۔ قوم پرستی کا سب سے پہلا درس دنیا کو یونان نے دیا اور وطن پرستی کو ایک مذہبی حقیقت کا درجہ یونانی فلسفیوں کے ذہن کی اختراع ہے، مقدس وطن اور مادرِ وطن کے الفاظ پہلے پہل انھیں کے لٹریچر میں استعمال کئے گئے۔ موجودہ جارحانہ وطن پرستی اسی شجرۂ خبیثہ کا ثمرِ غیر صالح ہے۔ ارسطو جسے لوگ معلم اخلاق کہتے ہیں اس کا سارا نظام اخلاق یونانی اور غیر یونانی کی تفریق پر مبنی ہے۔ یونانی حکماء نے فضائلِ اخلاق کی جو فہرست تیار کی تھی اس کے سرِ فہرست جو چیز رکھی گئی تھی وہ "حب الوطنی" تھی۔ ارسطو اس حب الوطنی کی تفسیر کرتے

---

[1] مزدکیت کے بنیادی اصول یہ تھے "زر" "زمین" "زن" کو مشترک اور سوسائٹی کی ملکیت ہونا چاہئے۔ یہ پہلی اشتراکی تحریک تھی جس کے بطن سے موجودہ اشتراکیت نے جنم لیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے ایک جگہ لکھتا ہے کہ "یونانیوں کے لئے غیر ملکیوں کے ساتھ وہی برتاؤ واجب ہے جو وہ حیوانات کے ساتھ کرتے ہیں"۔

تاریخِ یونان میں زمرۂ فلاسفہ میں سے صرف حکیم سقراط ایسا نظر آتا ہے جو انسانیت اور اخلاق کو کسی قوم کی میراث اور جائیداد نہیں سمجھتا اور نہ "حق" کو کسی مخصوص گوشہ میں محصور کر دینا چاہتا ہے اس استثنار کے سوا پورے یونان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو جہانیت اور آفاقیت کا قائل ہو۔ سقراط نے ایک موقع پر یہ کہدیا کہ میری ہمدردیوں کا حلقہ صرف یونان تک محدود نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان تک وسیع ہے تو لوگ حیرت اور استعجاب سے دیکھنے لگے[1]

رومی تمدن یونانیوں کے بعد جس قوم کو دنیا میں عروج نصیب ہوا وہ اہلِ روم تھے، یہاں پھر وہی اتار چڑھاؤ کا مرقع ہمارے سامنے آتا ہے جو اوپر دیکھ چکے ہیں۔ رومی لوگ وحشت و تاریکی سے نکل کر جب تاریخ کے روشن منظر پر نمودار ہوتے ہیں تو اُن کے نظامِ زندگی کا سارا نقشہ یونانیوں کے کھنڈر پر تعمیر ہوا نظر آتا ہے۔ رومی چونکہ بداوت اور وحشت کی زندگی گذار رہے تھے اس لئے انھیں علم و فن سے کوئی سروکار نہ تھا، لیکن جب ان کے ہاتھ میں دنیا کی زمام کار آئی تو ان کے سامنے بھی زندگی کے تمدنی، تہذیبی، معاشی اور معاشرتی مسائل آئے۔ چونکہ ان کے پاس علم و فن کی کوئی اپنی میراث آبائی نہ تھی اس لئے انھوں نے علم و فلسفہ، ادب و شاعری، اصولِ زندگی، قوانینِ معاشرت و معیشت، شائستگی اور تمدن سب کچھ یونان سے لیا۔ گو یونانیوں کے ہاتھ سے طاقت و اقتدار چھینا جا چکا تھا لیکن یونانی علوم و فنون کی برتری کا سکہ ابھی تک دنیا میں جاری تھا۔ یہ پہلی مثال تھی کہ ایک فاتح قوم اپنے مفتوحوں کے آداب و اطوار، ذہنی اور فکری کمالات اختیار کرتی ہے۔ رومی عسکرانہ ذہنیت رکھتے تھے اور ادبِ عالیہ زبان و کلچر سے ناواقف تھے۔ نئے نئے

---

[1] گولڈ اسمتھ کا مضمون "قومی تعصبات" کتاب English essays Galiban.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمدنی مباحث، معاشرتی مسائل، مابعد الطبیعی نظریات کے لئے ایسی زبان کی ضرورت پڑتی ہے جو اپنے دامن میں ایک وسیع ادب رکھتی ہو، موزوں اسلوبِ بیان کی حامل ہو اور اس میں اعلیٰ درجے کے اشارے اور کنایے کا ذخیرہ موجود ہو۔ چونکہ رومی زبان ان خصوصیات سے خالی تھی اس لئے رومیوں کے پڑھے لکھے طبقہ نے اپنے خیالات اور نظریات اور اپنے تصنیف وتالیف کے کاموں کو یونانی زبان میں شروع کیا، جس کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ رومی اپنے افکار وخیالات میں بالکل یونان کے غلام بن گئے اور یہ دستور عرصۂ دراز تک قائم رہا اور صرف تصنیف وتالیف پر کیا موقوف اطوار وخصائل، طرزِ معاشرت، جذبات واحساسات۔ غرضکہ ہر شعبۂ حیات میں یونانی تمدن، رومی تمدن پر غالب آگیا اور رومی پوری طرح یونان کے ذہنی غلام ہوگئے۔ یونانیوں کی جن چار خصوصیات کی طرف اوپر ہم نے اشارہ کیا، رومیوں کے یہاں بھی یہی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

رومیوں کا نظریۂ کائنات رومی بت پرست تھے، ان کے پاس کوئی آسمانی مذہب نہ تھا، ان کے عقائد چند خرافاتی اور توہماتی تخیلات پر مبنی تھے۔ بت پرستی نے ان کے اندر تمام بت پرستانہ خصوصیات پیدا کردی تھیں۔ یونانیوں کی ذہنی اور فکری غلامی میں آجانے کے بعد ان کے عقائد اور توہمات پر ایک کلامی اور فلسفیانہ رنگ ضرور چڑھ گیا تھا۔ چونکہ زندگی کی مشعلِ ہدایت یونان کے پاس بھی نہ تھی اس لئے رومی بھی روحِ ہدایت سے خالی رہے اور اس طرح آہستہ آہستہ ان میں مادیت سے لگاؤ اور مذہب سے نفور پیدا ہونے لگا۔ ان کے یہاں اخلاق اور سیاست کی دوئی پہلے ہی سے تسلیم شدہ تھی، بت پرستانہ اخلاق ان کو ورثہ میں ملا تھا، ان کا عقیدہ تھا کہ دیوتاؤں کو زمین وآسمان کے انتظام سے کیا مطلب، دنیاوی زندگی بے مقصد اور بے غایت ہے، زندگی کا اصلی فلسفہ یہ ہے کہ "کھاؤ" "پیو" "عیش کرو"۔ دیوتا لوگ خود عرش پر بیٹھ کر سیاست اور امورِ دنیا سے بے تعلق ہیں۔ سِسرو (Cicero) بیان کرتا ہے کہ تھیٹر میں جب اس مضمون کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشعار پڑھے جاتے تھے کہ دیوتاؤں کو دنیاوی معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں تو لوگ انھیں نہایت شوق سے سنتے تھے۔[1]

رومی زندگی کی تمام روحانی قدروں سے [illegible] ناواقف تھے۔ انھوں نے کبھی بھی سنجیدگی اور واقعیت کے ساتھ دینداری اختیار نہیں کی، ان کے تقلیدی دیوتا محض یونانی حکایات اور خرافات کی بھی نقل تھے، انھوں نے محض اپنی اجتماعی شیرازہ بندی اور قومی وحدت کے خیال سے ان ارواح اور بتوں کو تسلیم کر لیا تھا، انھوں نے اپنے ان دیوتاؤں کو کبھی بھی اپنی عملی زندگی میں قدم رکھنے نہ دیا، انھوں نے ان کو یہ حق بھی کبھی نہ دیا کہ وہ لوگوں پر اپنے اخلاقی قوانین نافذ کریں۔

قوم پرستی قومیت اور وطنیت جو ایک مغربی مزاج قوم کی فطرت ہے اس کا شدت سے ان کے اندر احساس پایا جاتا تھا، وہ "روم"[2] کو خدا سے بلند و برتر سمجھتے تھے۔ "طاقت" ان کے یہاں بھی "حق" اور "باطل" کا واحد معیار تھی۔ اس لئے رومی شہنشاہی پر جو خاص خیال حاوی تھا وہ محض ملک گیری اور جلب منفعت کا خیال اور مادرِ وطن کے لئے دوسری قوموں کو معاشی اور سیاسی حیثیت سے تباہ کرنا تھا۔ رومی رؤسا اور امرا اور اونچے طبقے کے لئے فارغ البالی اور عیش و عشرت کی زندگی کا سامان حاصل کرنے کے لئے کسی ظلم و ستم کو عیب نہیں سمجھتے تھے۔ خود ملک کے اندر اقتصادی جنگ برپا تھی۔ پرولتاریہ اپنی موجودہ حالت کو بے چینی کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے، ٹیکسوں اور دیگر ذرائع سے ان کی تمام دولت حکومت کے پروردہ طبقہ کی جیبوں میں جا رہی تھی۔

نظامِ معاشرت خدا سے بغاوت پر جو نظام عائلی بنتا ہے، اس کی اساس تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہوتی ہے۔ یونان کے نظامِ معاشرت کی تباہی کی داستان ہم آپ کے کانوں تک پہنچا چکے ہیں، وہی

---

[1] تاریخ اخلاق یورپ۔ [2] صرف روم ہی نہیں کہا جاتا تھا بلکہ مقدس روم (Holy Roma) کہا جاتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسباب اور امراض اس نظامِ معاشرت میں بھی اثر انداز تھے جسے رومی تمدن کہا جاتا ہے۔

یہاں تاریخ پھر اپنا فیصلہ دہراتی ہے، جب روم میں شہوانیت، عریانی اور فواحش کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ تھیٹروں میں بے حیائی کے مظاہرے ہونے لگے۔ ننگی اور نہایت فحش تصویریں ہر گھر کی زینت کے لئے ضروری ہو گئیں۔ قحبہ گری کے کاروبار کو وہ فروغ نصیب ہوا کہ قیصر ٹاٹریس کے عہد میں معزز خاندانوں کی عورتوں کو پیشہ ور طوائف بننے سے روکنے کے لئے ایک قانون نافذ کرنا پڑا فلورا نامی ایک کھیل رومیوں میں نہایت مقبول ہوا کیونکہ اس میں برہنہ عورتوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی۔ عورتوں اور مردوں کو برسرِ عام یکجا غسل کرنے کا رواج بھی عام تھا۔ رومی لٹریچر میں فحش و عریاں مضامین بھی بے تکلف بیان کئے جاتے تھے اور عوام و خواص میں وہی ادب مقبولِ عام تھا جس میں استعارہ اور کنایہ تک کا پردہ نہ رکھا گیا ہو۔

آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ اس فحاشی کی اشاعت میں بڑے بڑے متقی اور پرہیزگار فلسفیوں تک نے حصہ لیا۔ کاٹو (Cato) جس کو روم کا محتسبِ اخلاق کہا جاتا ہے صریح طور پر آوارگی کو حق بجانب ٹھیراتا ہے۔ اپکٹیٹس (Epictetus) جو فلاسفہ رواقیین (Stoics) میں بہت ہی سخت اخلاقی اصولوں کا پابند سمجھا جاتا ہے اپنے شاگردوں کو ہدایت کرتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے شادی سے پہلے عورت سے اجتناب کرو۔ مگر جو اس معاملہ میں ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے اس کو ملامت مت کرو۔

یہ ہے رومی تمدن کی پاکیٔ داماں کی حکایت اور یہ ہیں ان کے نظامِ عائلی کے روشن کارنامے۔

رومی تمدن میں انسانی جان کی قدر و قیمت | انسانی تمدن کی بنیاد جس قانون پر قائم ہے اس کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ انسان اور اس کا خون محترم ہے۔ انسان کے مدنی حقوق میں اولیں حق زندہ رہنے کا حق ہے۔ اس کے مدنی فرائض میں اولیں فرض زندہ رہنے دینے کا حق ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان دونوں اصولوں کو سامنے رکھ کر جب ہم رومی تمدن کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس تمدن میں ان دونوں اصولوں کو کبھی بھی ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ ان کا خون کیا گیا، روم کے کولوسیم (Colosseum.) کے فسانے اب تک تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں۔ جس میں ہزار ہا انسان شمشیر زنی کے کمالات اور رومی امرار کے شوقِ تماشہ کے نذر ہوگئے۔ مہمانوں کی تفریح کیلئے یا دوستوں کی تواضع کے لئے غلاموں کو درندوں سے پھڑوا دینا یا جانوروں کی طرح ذبح کر دینا یا ان کے آگ میں جلنے کا تماشہ دیکھنا کوئی معیوب نہ تھا۔ قیدیوں اور غلاموں کو مختلف طریقوں سے عذاب دے کر مار ڈالنا اس عہد کا عام دستور تھا۔ جاہل اور خونخوار امرار سے لے کر یونان و روم کے بڑے بڑے حکمار اور فلاسفہ کے اجتہادات میں بھی انسانی جانوں کو بے قصور ہلاک کرنے کی بہت سی وحشیانہ صورتیں جائز تھیں۔ ارسطو اور افلاطون جیسے اساتذۂ اخلاق ماں کو یہ اختیار دینے میں کوئی قباحت نہیں محسوس کرتے کہ وہ اپنے جسم کے ایک حصہ (یعنی جنین) کو الگ کر دے یونان اور رومہ میں اسقاطِ حمل کوئی ناجائز فعل نہ تھا۔ باپ کو اپنی اولاد کے قتل کا پورا حق تھا۔ رومی مقننوں کو اپنے قانون کی اس خصوصیت پر فخر تھا کہ اس میں اولاد پر باپ کے اختیارات غیر محدود ہیں۔ حکمار رواقیئن (Stoies) کے نزدیک خودکشی کوئی بری چیز نہ تھی۔ بلکہ ایک ایسی عزت کی چیز تھی کہ لوگ جلسے کرکے خودکشیاں کیا کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ افلاطون جیسا حکیم بھی اسے کوئی بڑی معصیت نہیں سمجھتا تھا۔ شوہر کے لئے اپنی بیوی کا قتل بالکل ایسا تھا جیسے وہ اپنے کسی پالتو جانور کو ذبح کر دے اس لئے قانون میں اس فعل کی کوئی سزا نہ تھی۔

رومیوں کا فوجی اخلاق | وسیع پیمانہ پر اُن کے قتل و غارت کے واقعات آج بھی تاریخ کے ریکارڈ ہیں۔ لیکن ان واقعات کو لکھنے سے پہلے روم کے فوجی نظام پر ایک نظر ڈالتے چلیں تاکہ واقعات کی روح آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ روم کا فوجی نظام، زمانۂ حال کے فوجی نظام کی طرح تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس میں اخلاقی حدود و ضوابط کی کوئی پابندی ممکن نہ تھی، اُن کو اخلاقی تربیت، جنگ کی تعلیم اور عسکری ضبط و نظم کے قائم رکھنے کا کوئی بندوبست نہ تھا، جنگ کے موقع پر عام جنگجو باشندوں کا ایک انبوہ امنڈ کر آیا کرتا تھا اور ان کا یہ شوق صرف انھیں قتل و خون کے کھیل میں شرکت کیلئے لاتا تھا تاکہ ہمسایہ ممالک کو لوٹیں، مخالف قوموں کو تہس نہس کریں، خوش باشی کے لئے مال و دولت خدمت کے لئے لونڈی غلام اور شہوت رانی کے لئے خوبصورت لڑکیاں حاصل کریں۔ خود ان کے بادشاہوں کے سامنے جنگ کا کوئی اخلاقی مقصد نہ تھا بلکہ محض نام و نمود کی خواہش، دشمنوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے تلوار اٹھائی جاتی تھی، یہی وجہ ہے کہ جب ان کی کوئی فوج کسی ملک میں پیشقدمی کرتی تھی تو بچے، بوڑھے، عورتیں، جانور، درخت، معبد، مندر، غرض کوئی چیز ان بدمستوں کے دستبرد سے نہ بچتی تھی، جو لوٹا جاسکتا تھا لوٹ لیا جاتا اور جو نہ لوٹا جاسکتا تھا اس کو آگ کی نذر کردیا جاتا تھا۔ روم سے افریقہ کے ونڈالوں (Vandals) اور یورپ کے گاتھوں (goths) کی ہمیشہ جنگ رہتی تھی۔ ان کے ساتھ جو وحشیانہ برتاؤ کیا جاتا تھا اس کے ذکر سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔

قیصر جسٹینن کے عہدِ حکومت میں جب ونڈالوں پر چڑھائی کی گئی تو ان کی پوری قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا، جنگ سے پہلے اس قوم میں ۶۰۰۰۰ ہزار جنگجو مرد تھے اور ان کے علاوہ عورتوں، بچوں، مردوں کی بھی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ مگر جب رومی فاتحوں نے ان پر قابو پالیا تو ان میں سے ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ مشہور مورخ گبن لکھتا ہے کہ سارا ملک ایسا تباہ کردیا گیا تھا کہ ایک اجنبی سیاح اس کے ویرانوں میں سارے سارے دن گھومتا تھا اور کہیں آدمزاد کی شکل دکھائی نہیں دیتی تھی، پیروکوپیوس ایک مشہور سیاح نے جب اول اول اس سرزمین پر قدم رکھا تھا تو اس کی آبادی کی کثرت اور تجارت اور زراعت کی فراوانی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا تھا مگر ۲۰ سال کے اندر وہ تمام گہما گہمی ویرانی سے بدل گئی اور پچاس لاکھ کی عظیم الشان آبادی قیصر روم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حملوں اور جفاکاریوں کی بدولت فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ [۱]

یورپ کے گاتھوں کے ساتھ یہی وحشیانہ سلوک ہوا، یہاں تک ہم سنتے ہیں کہ ان کا بادشاہ ٹوٹیلا جب میدان سے زخمی ہوکر بھاگا اور ایک دور دراز مقام پر جاکر مرگیا تو رومی سپاہی اس کی تلاش میں نکلے۔ اس کی لاش کا سراغ لگایا، اس کو برہنہ کرکے ڈالدیا اور اس کے خون آلود کپڑوں کو تاج سمیت قیصر جسٹینن کے پاس تحفۃً بھیجا۔

سنہ۷۰ء میں ٹیٹوس رومی نے جب بیت المقدس فتح کیا تو کہا جاتا ہے کہ دراز قد حسین لڑکیاں فاتح کے لئے چن لی گئیں، ۱۷ سال سے زیادہ عمر کے آدمی ہزار در ہزار پکڑ کر مصری کانوں میں کام کرنے کے لئے بھیج دیئے گئے، کئی ہزار آدمیوں کو گرفتار کرکے مختلف شہروں میں بھیجا گیا تاکہ ایمفی تھیٹروں اور کلوسیموں میں ان کو جنگلی جانوروں سے پھڑوانے اور شمشیر زنوں سے کٹوانے یا خود آپس میں ایک دوسرے کو کاٹنے کے کام لایا جاسکے، دوران جنگ میں ۹۷ ہزار آدمی گرفتار کرلئے گئے جن میں گیارہ ہزار صرف اس وجہ سے مرگئے کہ ان کے نگہبانوں نے انھیں کھانے کو نہیں دیا، ان کے علاوہ جنگ اور قتل میں جو لوگ ہلاک ہوئے ان کی مجموعی تعداد ۱۳۳۷۴۹۰ بتائی جاتی ہے۔ [۲]

یونانی اور رومی اپنے سوا دوسری قوموں کو وحشی اور بربری کہتے تھے اور ان کے قانون میں غیر یونانی اور رومی کے لئے غلامی اور قتل کے سوا کوئی تیسری صورت موجود نہ تھی، ارسطو جیسا انسان اس بات کا قائل تھا کہ قدرت نے برابرہ کو محض غلامی کے لئے پیدا کیا ہے۔

باغیانہ سوسائٹی اور لادینی کے ماحول میں رہتے رہتے رومی اتنے درندے اور وحشی ہوگئے تھے کہ لوگ اپنے کھیل تماشوں میں ہیبتناک نظارے دیکھکر خوش ہوتے تھے اور ان نظاروں میں مجاز کی بجائے حقیقت کو دیکھنا زیادہ پسند کرتے تھے اگر ان کو کسی گھر کو جلتے ہوئے دکھانا ہوتو فی الواقع

---

[1] Gibbon. [2] Early days of Christianity by Ferror.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ چاہتے تھے کہ ایک گھر جلا دیا جائے۔ قیصر آگسٹس نے اپنی وصیت کے ساتھ جو تحریک منسلک کی تھی اس میں لکھتا ہے کہ ۸ ہزار شمشیر زنوں اور ۳۵۱۰ جانوروں کے کھیل میں دیکھ چکا ہوں۔ رومیوں کی تاریخ میں جنگ وجدال، قتل وغارت گری کے سوا ہمیں کچھ نہیں ملتا۔ تعمیری فلاح وبہبود کے کاموں سے انہیں کچھ بھی شوق نہ تھا۔ طوالت کے باعث میں ان کی سفاکیوں کی بہت بڑی داستان چھوڑ رہا ہوں۔

رومہ کی اقتصادی حالت رومہ کی اقتصادی حالت کے متعلق ہمارے لئے اتنا جان لینا کافی ہوگا کہ عظیم الشان رومہ جس کے افسانے آج تک بیان کئے جاتے ہیں۔ اور جس کے تمدن کی عظمت وشوکت کے گیت گائے جاتے ہیں، یہ تمام رومی باشندوں کا تمدن تھا بلکہ جس تہذیب وتمدن کو اس قدر حیرت اور استعجاب سے دیکھا جاتا ہے وہ دراصل وہاں کے اعیان وامراء کا تمدن ہے جو پروردۂ حکومت تھے وہاں کے غرباء اور چھوٹے طبقہ کے لوگ طرح طرح کی معاشی دقتوں میں مبتلا تھے۔ طبقہ امراء کا دارومدار زیادہ تر جنگوں اور معرکوں کے مالِ غنیمت پر تھا یا عوام الناس کے ٹیکسوں پر۔

ڈاکٹر ڈریپر نے اپنی مشہور کتاب "معرکہ مذہب وسائنس" میں رومیوں کی عیاشیوں اور بوالہوسیوں کی بڑی دردناک داستان لکھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:۔ "جب جنگی قوت اور سیاسی اثر کے لحاظ سے سلطنت روما انتہائے ترقی پر فائز ہو گئی تو مذہبی اور عمرانی پہلو سے اس کی اخلاقی حالت فساد کے درجہ تک پہنچ چکی تھی۔ اہل رومہ کی عیش پرستی اور عشرت پسندی کی کوئی انتہا نہ رہی ان کا اصول یہ تھا کہ انسان کو چاہئے کہ زندگی کو سلسلۃ العیش بنا دے، پاک بازی، حظِ نفس کے خوانِ نعمت پر بمنزلہ نمکداں ہے اور اعتدال سلسلۂ حظِ نفس کی درازی کا محض ایک ذریعہ ہے، ان کے دسترخوان سونے چاندی کے باسنوں سے جن پر جواہرات کی ترصیع کاری ہوتی تھی چمکتے ہوئے نظر آتے تھے، ان کے ملازم زرق برق پوشاکیں پہنے ہوئے ان کی خدمت کیلئے کمربستہ کھڑے رہتے تھے، ماہردیان روما جو عام طور پر عصمت کی طلائی زنجیروں کی قید سے آزاد تھیں، ان کی مستی انگیز صحبتوں کا لطف بالا کرنے کے لئے محو ناز رہتی تھیں، عالی شان حماموں، دل کشا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تماشہ گاہوں اور جوش آفریں دنگلوں سے جن میں پہلوان کبھی ایک دوسرے سے اور کبھی درندوں سے اس وقت تک مصروفِ زور آزمائی رہتے تھے جب تک کہ حریفوں میں ایک ہمیشہ کے لئے خاک وخون میں سو نہ جائے۔ اہلِ روما کے سامانِ تعیش میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا، دنیا کے ان فاتحوں کو تجربہ کے بعد یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ عبادت اور پرستش کے لائق اگر کوئی ہے تو وہ "قوت" ہے، اسلئے کہ اس قوت کی بدولت ہی سرمایہ حاصل کیا جاسکتا ہے جو دوسروں کی محنت اور تجارت کی مسلسل جانکاہیوں اور عرق ریزیوں سے پیدا ہوا ہے، مال اور املاک کی ضبطی، صوبہ جات کے محاصل کی تشخیص، زور بازو کی بدولت جنگ میں کامیاب ہونے کا نتیجہ ہے اور فرمانروائے دولتِ روما اس زور قوت کا نشان ہیں۔ غرض روما کے نظامِ تمدن میں جاہ وجلال کی ایک جھلک تو نظر آتی ہے لیکن یہ جھلک اس نمائشی ملمع کی چمک سے مشابہ تھی جو یونانِ عہدِ قدیم کی تہذیب پر چڑھ گیا تھا"

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر اقتصادی لوٹ مچی ہوئی تھی، اس کے لئے رومی لوگوں کو غلام بنا رہے تھے اور قتل کر رہے تھے، تن آسانی اور عیش پرستی پر قوم وملک کا کتنا سرمایہ اڑایا جارہا تھا، جب ایک طبقہ کی ہوسناکیوں کی یہ داستان ہے تو دوسرا طبقہ کس قدر مفلوک الحال رہا ہوگا؟ مانا کہ رومی امراء نے اپنی قوم کو اقتصادی حیثیت سے غلام نہ بنایا ہو لیکن اپنے مفتوحوں کے ساتھ ان کا یہ فعل کب جائز ہوسکتا ہے؟ ہم نے جہاں تک رومہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، ہم اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ خود اہلِ روما کا ایک بڑا طبقہ نانِ شبینہ کا محتاج رہتا تھا اور ان کے نگے میں مفلوک الحالی کا جواہر وقت پڑا رہتا تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں:-

"جب ایرانیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور دنیوی تعیش ان کا معبود بن گیا تو ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش وعشرت میں منہمک بن جائیں۔ چنانچہ ان کے طبقہ خواص (Privileged group.) کا ہر شخص دادِ عیش دینے لگا اور ان میں ایک طرح تفاخر کی شان پیدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگئی۔ یہ دیکھکر دنیا کے ہر گوشہ سے علما اور حکما ان کے ارد گرد جمع ہونے لگ گئے جو ان کے لیے سامانِ عیش مہیا کرنے کیلئے عجیب عجیب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں مصروف نظر آنے لگے اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے پر فضیلت اور فوقیت حاصل کرنے کی کوشش اور ان ایجادوں پر فخر کرنے لگے حتی کہ ان امرا اور سرمایہ داروں کا یہ حال ہوگیا کہ جس کسی کے پاس ایک لاکھ درہم سے کم مالیت کا پٹکا یا ٹوپی ہوتی تھی اسے بخیلی کا عار دلایا جاتا تھا۔ ایسے ہی انھوں نے عالی شان سر بفلک محل، آبزن حمام، بے نظیر پائیں باغ، سواری کے نمائشی جانور خوبصورت غلام اور حسین باندیاں اپنی زندگی کا لازمہ قرار دے لیں اور زندگی کی ضرورت اصلی اسے سمجھ لیا کہ صبح وشام عیش ونشاط کی محفلیں جمع ہوں جن میں طرح طرح کے لذیذ کھانے وسیع دستر خوانوں پر جمع ہوں اور فوق البھڑک لباس فاخرہ خوشبوؤں سے بسا ہوا زیب تن ہو۔

ان ملوک اور امرا کی زندگی کے یہ طور طریقے رفتہ رفتہ عوام کی معاشی حالت پر برے اثرات لائے اور ان کی معاشی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی مسلسل خانہ جنگیوں سے اسباب معیشت تباہ ہوگئے جس کی وجہ سے سوسائٹی تباہ وبرباد ہوگئی۔ اس ہمہ گیر مالی مصیبت کا سبب یہ تھا کہ یہ سامانِ عیش کثیر دولت صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا تھا اس کے لیے امرا اور حکمران طبقہ کاشتکاروں اور تاجروں پر نئے ٹیکس لگاتے تھے۔ سامان معیشت چونکہ پہلے ہی سے تباہ تھا اس لئے کسان اور تاجر نئے ٹیکس دینے سے انکار کردیتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ زبردستی ان سے ٹیکس وصول کیے جاتے تھے اور زیادہ سرکشی پر فوجی کارروائی عمل میں لائی جاتی تھی اور انھیں گرفتار کرکے طرح طرح سے عذاب دیا جاتا تھا۔“

جاگیردارانہ نظام سرمایہ داری کا یہ وہ مرقع جس کی صحیح تصویر شاہ صاحب کے فنکار قلم نے کھینچی ہے۔ یہ تمدن کے دو عظیم الشان ڈھانچے تھے جو غیر خدا پرستانہ نظریہ زندگی (Materialistic Conception) کی اساس پر قائم تھے لیکن چونکہ ان کی بنیاد زندگی کے صحیح تصور پر قائم نہ تھی اس لئے اس کا تباہ ہوجانا لازمی تھا۔

(باقی)

© rasailojaraid.com